پچاس دن

ڈاکٹر عشرت بیتاب
زیب کدہ جہانگیری محلّہ، آسنسول۔2

پچاس دن!

رام بابو گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ ادھر میرا بھائی، وہ تو مہاجر ہے۔ مہاجر کا طوق لٹکائے کسمپرسی کی زندگی گزار رہا ہے، مگر میں تو اپنے دیش میں ہوں۔ آزاد جمہوری ملک میں۔ پھر یہ پچاس دن کی بندش! یہ تو جمہوریت پر کاری ضرب ہے۔

کاری ضرب کے شکار وہ اپنی شہادت کی انگلی پر مٹتی ہوئی کالی سیاہی کے نشان کو دیکھ رہے تھے۔ انہی انگلیوں کے شمار نے حاکم وقت کو تاج بخشا ہے، وہ دل ہی دل میں بڑبڑائے۔ تب ہی تو وہ مغرور شاہی مکٹ پہنے شہنشاہ وقت بنا۔ ساتوں سمندر کی سیر کرتا پھر رہا ہے اور ہٹلر شاہی فرمان نافذ کرتا رہتا ہے۔ اپنی اکثریتی قوت کے بل بوتے پچاس دنوں میں درجنوں حکم جاری کر دیا۔ افسوس صد افسوس کہ ان کالے فرمانوں کے اثرات بھوکے، ننگے، غریب اور کمزور انسانوں پر ہی پڑے ہیں۔

رام بابو نے آزادی سے کچھ قبل ہی اس دنیا میں آنکھیں کھولی تھیں اور اپنی کھلی آنکھوں سے آزادی کی جدوجہد نہیں دیکھی تھی، مگر آزادی کے خوں فشاں داستانوں کو پروجوں سے جستہ جستہ سنا ضرور تھا۔ انھیں آزادی کے نعروں کی بازگشت آج بھی سنائی دیتی، وہ ہندو مسلم کی مشترکہ تہذیب کے پروردہ تھے جہاں مذہب کی بنیاد پر انسانیت پروان نہیں چڑھی تھی بلکہ ایک ہی مکتب میں ہندو مسلم کی پرورش و پرداخت ہوئی تھی۔ مدرسے کے دنوں میں تو انھیں سارے کلمے یاد تھے اور آج بھی وہ کئی اہم کلموں کا ورد کرتے رہتے تھے۔

رام بابو تلملا اٹھے۔ پروجوں نے اپنے سینے پر انگریزوں کی گولیاں اسی دن کے لیے کھائی تھیں۔ پر مرتا کیا نہ کرتا..... خون کے آنسو پی کر رہ جاتے کہ صبر کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ یہ ساری مصیبتیں خود کی لائی ہوئی تھیں۔

''تم تو آزاد تھے پھر کیوں خود پر عتاب نازل کر لیا''، ضمیر کی آواز انہیں صاف سنائی دے رہی تھی مگر اکثریت کی بھیڑ میں آواز گم ہو کر رہ گئی تھی۔

''یہ جمہوریت ہے بھائی، یہاں انگلیاں گنی جاتی ہیں، دماغ نہیں'' ان کے اندر کا ضمیر کچوکے مار رہا تھا۔

شاید یہی وہ لمحہ تھا جب رام بابو سے لغزش ہوئی تھی۔ آئندہ ایسے جذباتی فیصلوں سے محتاط رہنے کے لیے بچوں کو سمجھاتے اور کہتے.....

''بچو! بہتر فیصلے کے لیے دل کا نہیں دماغ کا استعمال کرو..... خود کو کبھی فولاد سنگھ تصور نہ کرنا۔ ہوا کے دوش پر سوار ہو کر ساتوں آسمان کی سیر کرنے والا ایک دن زمین پر ہی آ کر گرتا ہے۔ ایسے سفر کا انجام یہی ہوتا ہے کہ جہاں زمین سے رشتہ چھوٹا تو وہ نہ آسمان کا رہا اور نہ ہی زمین کا۔''

آزادی کے ستر برس میں یہ پچاس دن ان پر گراں گزر رہے تھے۔ کیش لیس کی سرخ سبز بتیوں کے لیے انہیں اپنے پوتے کا سہارا لینا پڑتا۔ رام بابو مٹی کی خوشبو میں پلے بڑھے تھے۔ انھیں برقی رفتار کی چمک دمک سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ ان کی کمزور انگلیاں ان کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔

رام بابو نے اکلوتے پوتے کی پرورش نہایت ناز و نعم سے کی تھی۔ بیٹے اور بہو کی کار حادثے میں موت کے بعد پوتا ہی ان کا واحد سہارا تھا۔ ان کی کمزور آنکھوں کا مکمل نور تھا۔

ماں باپ کی اچانک حادثاتی موت سے بچہ سہم سا گیا تھا۔ وہ تو رام بابو کی پدرانہ شفقت و گرماہٹ نے اسے سنبھالا دیا۔ اس نوخیز یتیم بچے کو رام بابو سینے سے چمٹائے رکھتے۔ خود مصیبتیں جھیلتے، مگر بچے پر حرف تک نہ آنے دیتے۔

آج بچہ جوان ہو چکا تھا۔ رام بابو پوتے کو دیکھتے تو آنکھیں بھر آتیں۔ انھیں ایسا لگتا کہ ان کا گبرو جوان بیٹا سامنے کھڑا ہے، وہی

آنکھیں، وہی چہرہ اور وہی نقوش.....رام بابو کو ایسا گمان گزرتا کہ بھگوان نے انہیں ان کا کھویا ہوا بیٹا لوٹا دیا ہے ایسے میں وہ پوتے کو سینے سے چمٹا لیتے۔خوب خوب چومتے، پیار کرتے۔

رام بابو پوتے کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتے تھے۔اس کی چھوٹی سی چھوٹی خواہش کو پلک جھپکتے ہی پورا کر دیتے تھے۔پوتے کا اداس چہرہ انھیں پسند نہ تھا۔وہ اسے ہمیشہ ہنستا کھیلتا دیکھنا چاہتے تھے۔اس لیے آج پوتے نے اپنی پسند ظاہر کی تو رام بابو نے اس کی مرضی کے آگے سر خم کرلیا اوراس کی پسند پر اپنی پسند کی مہر ثبت کر دی۔

رام بابو پوتے کی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتے تھے تاکہ پوتے کو باپ کی کمی کھلے نہیں۔رام بابو نے پوتے کو اپنے لخت جگر کی طرح ہی سینچا اور سنوارا تھا۔اس کی ہر خوشی پر اپنی خوشی تصور کرتے.....مگر آج لاچار، کمزور اور بے بس نظر آرہے تھے۔پوتے کی خواہشوں اور امنگوں پر کیش لیس کے کالے بادل کی گھٹا کو دیکھ کر وہ فکر مند ہو گئے تھے۔

''دادا فکر نہ کریں، ہمارا ملک جمہوری ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا''
پوتے نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''حق تلفی کو جمہوریت کہتے ہو'' رام بابو بیخ پا ہوئے جا رہے تھے۔

''یہ دیش، ہمارا دیش، جسے بزرگوں کی جہد مسلسل نے پروان چڑھایا اور یہ اس طرح فلک بوس ہو جائے گا ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا''، رام بابو بڑبڑائے۔

''آج ہمارا دیش کدھر جا رہا ہے۔بلند بانگ دعوے کرنے والا کبھی مسیحا نہیں ہوسکتا۔پنجوں کے بل کھڑے ہو کر، خود کو قد آور تصور کرنا، حماقت کے سوا کچھ نہیں'' رام بابو افسردگی سے بولے اور تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو گئے۔پھر اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہی دوبارہ گویا ہوئے۔

''حد ہو گئی، انسان کی جان پر جانوروں کو فوقیت دی جارہی ہے۔آج کہاں سو گئی ہے انسانیت'' یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں.....

''انسان اپنی پسند کی خوراک بھی نہیں لے سکتا، کھانے پینے پر رکاوٹ، جسم اور چہرے کی ستر پوشی پر ضرب اور تو اور ازدواجی زندگی کے اتار چڑھاؤ پر بھی سرکاری فرمان.....یہ سب کیا ہو رہا ہے'' رام بابو پر بہت دیر تک جنونی کیفیت طاری رہی.....

''اچھے دن کے خواب کون نہیں بنتا، مگر خواب کی تعبیر اتنی بھیانک ہوگی، کسے خبر تھی۔''

رام بابو کا ذہن ان سب باتوں کو سوچ سوچ کر ماؤف ہو چکا تھا۔سوچ سمجھ کے سارے دریچے جیسے بند ہو چکے تھے۔انھیں تو صرف اور صرف اپنے پوتے کی شہنائی سنائی دے رہی تھی۔

بینک سے منسلک اے۔ٹی۔ایم میں لمبی قطاریں تھیں۔صدر دروازے سے گزرتے ہوئے ان کے سارے بدن میں لرزش سی طاری ہو گئی تھی۔اے ٹی ایم کے دروازے پر شور بپا تھا۔دروازے سے باہر آتا ہوا ایک نوجوان چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا.....

''یہاں بھی پیسے ختم ہو گئے .....سارے دیش کو کنگال بنا چھوڑا ہے۔''

رام بابو بھیڑ کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے۔پوتے کا سہارا نہ ہوتا تو وہ وہیں ڈھیر ہو جاتے۔پوتا انھیں سہارا دیتے ہوئے بینک کے صدر دروازے سے اندر کی اُور لے آیا اور سامنے والی کرسی پر بٹھا کر خود سینئر سٹیزن کی صف میں کھڑا ہو گیا، جب ان کی باری آئی تو رام بابو کو حاضر کر کے دستخط کروانے لگا تو بینک ملازم نے اتنے سارے روپے دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ.....

''آپ صرف پچیس ہزار ہی نکال سکتے ہیں''

جس پر رام بابو بھڑک اٹھے.....

''یہ کوئی بات ہوئی.....میرے پیسے ہیں ہم جس قدر چاہیں نکالیں۔مجھے سارے پیسے کی ضرورت ہے۔پوتے کی شادی ہے میری بوڑھی آنکھوں میں خوشیوں کی جگہ تاریکی اتار دینا چاہتے ہو''

رام بابو غصے سے بھپر پڑے۔ان کا سارا جسم کانپنے لگا۔پوتے کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ فرش پر لڑھک نہ جائیں اس لئے اس نے انہیں سامنے والی کرسی پر بٹھا دیا۔رام بابو کرسی پر بے حس وحرکت پڑے رہے، آنکھیں پتھرا سی گئی تھیں۔پوتا دادا کے چرنوں پر دوزانو بیٹھتے ہوئے بولا:

''دادا جی، آپ فکر نہ کریں۔مجھے آپ کی زندگی عزیز ہے، شادی نہیں۔''

مگر پوتے کی گزارش سننے سے قبل ہی رام بابو کی ساری خواہشیں، ان کے جسم کی طرح سرد پڑ چکی تھی۔

○○

○○